حافظ منظور احمد ایم اے لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

رسول اکرم ﷺ بحیثیت سماجی رہنما

انسان سماج میں پیدا ہوتا ہے۔ سماج میں رہتا ہے اور سماج میں مرتا ہے۔ جو شخص اپنے خاندان، محلہ اور اعزہ و اقارب کے رنج و غم میں ہاتھ نہیں بٹاتا اور سب سے الگ تھلگ رہتا ہو وہ ہزار نیک اور دنیا بھر کی خوبیوں سے بھرپور کیوں نہ ہو اسے انسان کامل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کامل انسان وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے اور جن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے ان کے ہر حال میں شریک رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معیار پر پورے اترتے ہیں آپ کی زندگی ظہور رسالت سے قبل ہی ملک و قوم اور اعزہ و اقربا کے لیے نمونہ تھی اس وقت بھی آپ میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو ایک انسان کامل کے لیے ضروری ہیں۔ قریش کے دوسرے نوجوانوں سے ان کی اخلاقی پستی کے سبب الگ تھلگ رہنے کے باوجود بھلائی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں ان کا ساتھ دیتے۔

جس وقت آپ کی عمر سات برس کے قریب تھی۔ قریش نے خانہ کعبہ کی مرمت کا کام شروع کیا۔ کیوں کہ اس کی دیواریں سیلاب سے خراب ہو چکی تھیں۔ آپ اس وقت بچے تھے مگر اس نیک کام میں سب کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے۔ تہمد باندھے ہوئے ہوتے تھے اس لیے چلنے میں دشواری پیش آتی تھی گھر ن نے کہا کہ تہمد اتار دو مگر آپ کی شرم و حیا اس پر آمادہ نہ ہوئی۔ یہ حضور کی سماجی زندگی کی ابتدا تھی اس کے بعد جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتے گئے عوام کے ساتھ تعاون اور میل جول کا سلسلہ بڑھتا گیا

اہل مکہ یعنی قریش بہت حساس ... شان کے لیے جان کی بازی لگا دینے والے تھے۔ عکاظ کے میلہ میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ بنی ہوازن کے کسی فرد نے قریش کی شان میں کوئی گستاخی کر دی۔ پھر کیا تھا دونوں قبیلوں میں خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں قبیلوں میں چار ہولناک لڑائیاں ہوئیں۔ چوتھی لڑائی کے وقت حضور اکرم ﷺ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپ بھی اس میں شریک تھے۔

قریش دفاعی جنگ کر رہے تھے۔ بنی ہوازن کو اپنے آدمیوں کی کثرت پر گھمنڈ تھا۔ اس کی جارحانہ کارروائیاں اس حد تک بڑھ گئیں تھیں کہ مکہ پر حملہ کرنے لگے۔ قریش کے سب لوگ مقابلہ کو نکل گئے۔ آنحضرتؐ بنی ہاشم سے تیراندازوں کو تیر چن چن کر دے رہے تھے۔ یہ جنگ حضورؐ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی قیادت میں لڑی جا رہی تھی۔ جنگ کا پلہ قریش کے حق میں تھا۔ بنی ہوازن کا حوصلہ پست ہوگیا۔ انہیں عبرتناک شکست کھانا پڑی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جنگ میں قریش حق پر تھے۔ تاریخ میں یہ لڑائی حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔

اس وقت حجاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت زبیرؓ بن عبدالمطلب کا بہت اثر تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی مختلف بیویوں سے کئی کئی اولادیں تھیں۔ جن میں حضرت زبیرؓ، حضرت ابوطالب اور حضرت عبداللہ ایک ماں سے تھے۔ حضرت زبیرؓ بڑے حوصلہ مند اور پرجوش جوان تھے۔ سماجی کاموں کی وجہ سے نہ صرف قریش بلکہ پورے حجاز میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔

حرب فجار کی قیادت کے سبب اور بھی شہرت بڑھی۔ آپ نے مکہ معظمہ اور اس کے مضافات میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ایک انجمن بنائی۔ اس انجمن کے مقاصد میں بازار عکاظ اور حج کے ایام میں امن و امان قائم رکھنا۔ مظلومین کی مدد کرنا۔ مسافروں کے ساتھ رہزنی اور لوٹ مار کے حادثات کا قلع قمع کرنا اور جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں منزل تک پہنچانے میں ان کی مدد کرنا۔ جب رسول اللہ کو حضرت زبیرؓ کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ نے اس کا زبردست خیر مقدم کیا اور ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہوگئے۔ دونوں چچا بھتیجے نے پہلے قریش کو اپنا ہم نوا بنایا اس کے بعد دوسرے بااثر قبائل کا دورہ کیا اور اپنے خلوص اور عزم سے حلف الفضول نامی معاہدے کو دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تنظیم میں رکن اساسی کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ اس وقت آپؐ کی عمر بیس یا پچیس کے قریب ہوگی۔ یہ واقعہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے قبل کا ہے۔

اس تنظیم کا اثر یہ ہوا کہ شام اور مکہ کے درمیان گزرنے والے تجارتی قافلوں اور مسافروں کو کسی قسم کا خطرہ نہ رہا۔ حج کے موقعہ پر زائرین کی تعداد بڑھنے لگی۔ عکاظ کے میلے میں بکثرت تاجر شریک ہونے لگے۔ حجاز کی تجارت و معیشت بڑھنے لگی۔ ساتھ مدینہ برابر

کہا کرتے تھے کہ آج بھی حلف الفضول کی طرح کوئی تنظیم قائم کی جائے تو میں اس میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوں۔

آپ محض انجمن ساز اور ایک کارکن ہی نہ تھے بلکہ ذاتی طور پر لوگوں کی جانی اور مالی امداد کیا کرتے تھے۔ قبائلی تنگ نظری سے مبرّا تھے۔ جھوٹ اور غلط بیانی سے قطعی نفرت تھی۔ جس سے جو وعدہ کرتے اسے بہرحال پورا کرتے خواہ اس میں کتنا ہی ذاتی نقصان اٹھانا پڑتا۔ لوگوں کو اسی لیے آپ پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اپنا مال و متاع بطور امانت آپ کے پاس رکھتے اور اس کام کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتے تھے۔ قوم نے اس بے لوث اور پرخلوص خدمت کے صلہ میں آپ کو امین الصادق کا خطاب دیا تھا۔ اور تمام اہل حجاز میں آپ اس لقب سے مشہور تھے۔ لوگوں کی امانتیں رکھنے کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا۔ جب کہ بعثت کے بعد قریش آپ کی جان لینے پر آمادہ تھے۔ قریش نے آپ کی شدت سے مخالفت کی مگر کبھی آپ کے کردار پر حرف نہیں دیا۔ جب آپ نے نبوت کے تیرھویں سال جولائی ۶۲۲ء میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، اس وقت بھی امانتوں کا خیال رکھا۔ حضرت علی رض کو اس ہدایت کے ساتھ مکہ میں رہنے دیا کہ وہ قریش کی امانتیں ان کے سپرد کر دیں۔ حضرت علی رض نے حضور کی ہدایت کے مطابق فرداً فرداً لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کیں۔ کسی طرف سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔ صداقت امانت کا یہ انوکھا واقعہ ہے کہ قریش آپ کے اس قدر مخالف تھے کہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن اس رات بھی جبکہ قاتلانہ حملہ ہونے والا تھا اور ہجرت کر رہے تھے لوگوں کی امانتیں واپس کرنا نہ بھولے۔ دوسرا کوئی ہوتا تو وہ اپنی جان بچانے میں کسی کا خیال نہ کرتا لیکن اس انسان کامل کی زندگی ہر لحاظ سے مثالی اور اخلاق و شرافت کے ہر معیار پر پوری تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم میں ان سماجی خدمات کی وجہ سے جو عزت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۶۰۵ء میں جبکہ آپ کی عمر ۳۵ سال تھی قریش نے کعبہ کی دیوار پر سنگِ اسود نصب کرنے کے سلسلے میں آپ کے فیصلے کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ حالانکہ معاملہ اتنا سنگین تھا کہ خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

واقعہ اس طرح ہے کہ بارش اور سیلاب کی وجہ سے کعبہ کی دیوار کو سخت نقصان پہنچا۔ قریش نے اس کی دوبارہ تعمیر کی۔ جب عمارت تیار ہو گئی تو سنگِ اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کا وقت آیا اس موقع پر جھگڑا شروع ہو گیا کہ اس مبارک پتھر کو کون اٹھائے اور پھر

اسے نصب کرنے کا شرف کس قبیلے اور فرد کو حاصل ہونا چاہیے۔ ہر قبیلہ اور ہر فرد یہ شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ معاملہ کافی آگے بڑھ گیا کوئی کسی کے حق میں سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قریش اس مسئلہ پر کٹ مریں گے۔ آخر میں ایک معمر شخص کی اس رائے پر اتفاق ہوا کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص کعبہ میں آئے۔ اس کے فیصلے کو تسلیم کیا جائے۔ حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرتؐ ہی کعبہ میں پہنچے۔ آپ کو دیکھتے ہی تمام جھگڑالو لوگ امین الصادق کہہ کر خوشی سے چلا اٹھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آپ کا فیصلہ منصفانہ اور مخلصانہ ہوگا۔ کسی کی جانب داری اور حمایت نہ کریں گے اور قبائلی تعصب سے کام نہیں لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے سنگِ اسود کو اٹھا کر چادر میں رکھا۔ ہر قبیلے کے سردار نے چادر کے مختلف حصے پکڑ لیے اور اسی حال میں دیوار تک لے گئے پھر آپ نے سنگِ اسود کو اٹھایا اور دیوار میں نصب کر دیا۔ اس فیصلے سے تمام لوگ خوش ہو گئے۔ اس واقعے سے آپ کی فراست کے ساتھ عوام میں انتہائی ہر دلعزیزی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ خانہ جنگی بھی رک گئی اور سنگِ اسود کو چھونے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

ایک اعلیٰ درجے کے انسان کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ گھر باہر سب کے لیے یکساں ہو۔ اگر اس کا سلوک خویش و اقربا کے ساتھ اچھا نہیں تو دوسروں کے سلسلہ میں اس پر بھروسہ کرنا حماقت ہوگی۔ لہٰذا کسی سماجی کارکن کے سلسلے میں یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ وہ ذاتی طور پر کس کردار کا حامل ہے اور وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا ہے کیونکہ جسے اپنے اعزہ و اقارب اور اہل و عیال سے محبت نہ ہوگی اور وہ ان سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کرے گا تو وہ ہرگز دوسروں کے معاملہ میں بے لوث اور ایثار پسند نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی تمام کی تمام تر کاروائیاں کسی نہ کسی غرض اور لالچ کے سبب ہوں گی۔ اس کسوٹی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے اترتے ہیں۔ آپ کے چچا ابو طالب کثیرالاولاد تھے آخر وقت میں اُن کی مالی حالت بڑی کمزور ہو گئی تھی۔ لیکن آپؐ حضرتِ خدیجہ سے رضؓ عقد کرنے کی وجہ سے خوشحال تھے۔ چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے حضرت علی رضؓ کو جس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی اپنے گھر لے آئے۔ آپؐ ہی کے کہنے سے حضرت عباس رضؓ، حضرت جعفر طیار رضؓ کو لے گئے حضرت عقیل رضؓ البتہ اپنے والد کے ساتھ ہی رہے۔ حضرت ابو طالب نے حضورؐ کو اپنے بیٹے کی طرح

سرپرست سمجھتے رہے۔ اور ان کے کہنے پر عمل کرتے رہے۔ حضرت خدیجہؓ آپ سے پندرہ سال بڑی، بیوہ اور دوسرے خاوند سے صاحب اولاد تھیں۔ اس کے برعکس آپ بالکل کنوارے تھے۔ قریش میں پسندیدہ اور ہردلعزیز تھے لیکن حضرت ابوطالب کے حکم کی تعمیل میں آپ نے عقدِ نکاح منظور کر لیا۔ خطبہ نکاح خود حضرت ابوطالب نے پڑھا۔ بنی ہاشم کے تمام لوگوں میں رسول اللہ عزت و شفقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے جیسی محبت آپ کو تھی۔ کسی اور بیوی سے کبھی بھی نہیں ہوئی۔ ہمیشہ انہیں یاد کرتے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ شوہر پرست بیوی تھیں۔ اسی طرح آپ بھی وفادار اور ذمہ دار شوہر ثابت ہوئے۔ حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ سے آپ کو اس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب نبوّت کے ساتویں سال ان دونوں کا وصال ہوا تو آپ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال پڑ گیا۔ حضرت ابوطالبؓ کی وفات سے آپ ایک مربّی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات سے ایک شریکِ حیات۔ ہمراز اور غمگسار سے محروم ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ریفارمر بھی تھے۔ وہ ایک ایسا سماج قائم کرنا چاہتے تھے جو رنگ و نسل، غلام و آقا، غربت و امارت، عرب و عجم اور قبائلی عصبیت و تنگ نظری سے پاک ہو۔ جس کے ہر فرد کا مقصد بنی نوع انسان کی بھلائی ہو۔ جب آپؐ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے تو وہاں سب سے پہلے انہیں اصولوں کی بنیاد پر مسلم معاشرہ کی تشکیل کی۔ سب سے پہلے انصار کے دونوں حریف قبائل اوس و خزرج کے درمیان صلح کرائی۔ اس کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا۔ یہ رشتہ محض زبانی نہیں تھا۔ انصار نے اسے عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔ اپنے مال و اسباب میں اپنے مہاجر بھائیوں کو شریک کر لیا۔ اس رشتہ کا مسلم معاشرہ کی تعمیر پر زبردست اثر پڑا۔ ایک اجنبی جگہ پہنچ کر بھی قریش اپنے گھر جیسا محسوس کرنے لگے۔ انصار کے لیے بھی مہاجر اجنبی معلوم نہ ہوتے تھے۔

دونوں شیر و شکر ہو کر اسلام کی ترقی اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لینے لگے۔ رسول اللہؐ نے اپنی گیارہ سالہ زندگی میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں لا دیا جو تمام علاقائی، لسانی، قبائلی اور طبقاتی عصبیت سے پاک تھا۔ اس کی بنیاد عدل و مساوات اور بھائی چارے پر تھی۔ رسول اللہؐ کے تشکیل کردہ معاشرہ میں روسائے انصار و قریش، بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، زید بن حارثہ جیسے غلام اور غیر عرب لوگ مل کر رہتے تھے۔ ٭ ٭ ٭